بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”روایت“ — ایک مطالعہ

محمد اصغر نیازی

مجلہ روایت کے اس پہلے شمارے کا مرکز و محور بلکہ عہد حاضر میں تصور روایت کا مرکز و محور صرف چند گنی چنی شخصیات ہیں لیکن میرے اس تاثر سے یہ تاثر نہ لیا جائے کہ روایت کسی نئے فلسفے یا مذہب کا نام ہے کیونکہ نئے نئے فلسفے بگھارنا اور دین تراشنا آج کل مغرب کا چلتا ہوا فیشن ہے۔ روایت کا تصور اہل روایت کے نزدیک آفاق میں موجود القائی الہامی یا وحیٔ الٰہی کا اولین و آخرین انفسی عکس صحیح ہے بفحوائے رسینے گینو ”التوحید واحد“ ان صاحب دل نفوس نے کیا صرف یہ ہے، ابتدائیہ کے ابتدائی الفاظ کے مطابق ” ہمارے زمانے میں اور ہر اس دور میں جو نزول وحی کے دور سے دور ہو چکا ہو۔ ضرورت اس چیز کی ہے کہ کچھ لوگوں کے باب فہم کے لیے دوبارہ گھڑی ہوئی چابیاں فراہم کی جائیں ایسی چابیاں جو پرانی کنجیوں سے بہتر نہیں ہوں گی صرف زیادہ واضح ہوں گی۔ ان کی مدد سے وہ حقائق کی بازیافت کر سکیں گی جو روحِ انسانی کے جوہر میں ابدی اور لافانی طور پہ نقش ہیں۔“ ؎

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ ایں ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

دیکھیے بالکل ابتداء میں کہی گئی بات انتہا تک پہنچتے پہنچتے مکمل کس طرح ہوتی ہے:

"اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ ان صفحات میں بعض اوقات دوسری روایتوں میں اظہارِ حق کے طریقوں کا بھی تذکرہ رہے گا اس کے بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ وہ عظیم ماوراءالطبیعاتی حقائق جو ہماری اپنی روایت سے براہِ راست حاصل ہوئے ہیں ان کا اظہار مختلف تاریخی پس منظر، مختلف صورت اور مختلف نسلوں میں جس طرح ہوا ہے اس کا تذکرہ مفید ہے۔ کیونکہ اس طرح کی ہر متوافق شہادت سے ہمارے اپنے عمیق ترین تیقنات کو تقویت ہوتی ہے۔"

ے خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

دراصل میں کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ "روایت" کے کم و بیش ساڑھے سات سو صفحات پر کھلے ہوئے گلستانِ معانی کے ہر پھول سے اپنے قلب و ذہن کو مہکانا اور تادیر مہکائے رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو ان سدا بہار شخصیتوں میں سے کم از کم ایک کے قلباً یا ذہناً بہت ہی قریب جانا ہوگا یہ ناگزیر ہے۔

آپ چاہیں تو ان کے نام گنوا دوں لیکن میرے خیال میں یہ کوئی ضروری نہیں۔ آپ جب "روایت" کا مطالعہ کر رہے ہوں گے تو "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" کے مصداق آپ خود ہی انہیں پہچان لیں گے۔

ویسے رہنے گنواں اور رشتواں، بھلا ہو عسکری صاحب کا، اردو داں

حضرات کے لیے کچھ ایسے اجنبی بھی نہیں رہے ہے اور ایسے تو بہت ہیں جو روایت کے تعارف اور روایتی شخصیات کے دفاع کے لیے ہمہ تن قلم بدست سینہ سپر ہو چکے ہیں۔

"روایت" نے اپنے قارئین کی سہولت کے لیے "عسکری بنام فاروقی" کے عنوان سے ان کے بہت سے بظاہر نجی خطوط شامل اشاعت کیے ہیں۔ جنہیں پڑھتے ہوئے یہ خوشگوار احساس ہوتا ہے جیسے یہ نامے، سب کے سب یا ایک آدھ جو پسند آجائیں میرے نام آئے ہیں۔

اِن شفقت ناموں کی اصل اہمیت میں بیان کیے دیتا ہوں۔ یہاں آپ کی ملاقات مشرق و مغرب کے ان بزرگوں سے یقیناً ہو جائے گی جن سے عسکری صاحب کے قلب و نگاہ اور ذہنِ رسا نے فیض پایا ہے۔ بطورِ تبرک صرف دو نام، ایک رینے گینوں اور دوسرے مولانا اشرف علی تھانوی۔ اِن کے بارے میں اُن کا حسن ظن تو یہاں تک پہنچا ہوا ہے ——:

"اب تو میں بس حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے ملفوظات یا وعظ پڑھتا ہوں۔"

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

"ایک عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹۲۸ کے قریب مولانا اشرف علیؒ نے اپنی مجلس میں کہا تھا کہ مجھے تو یہ نظر آرہا ہے کہ اب اسلام کی حفاظت کرنے والے یورپ سے پیدا ہوں گے۔ تقریباً یہی زمانہ ہے جب رینے گینوں نے زور شور سے لکھنا شروع کیا ہے۔"

شاید ان خطوط میں اس طرح کے فقرے قارئین کو اشاعتی اخلاقیات کے

مخمصے میں ڈال دیں کہ "میرے خط شائع نہ کیے جائیں وہ تو میرے اور آپ کے درمیان گپ شپ ہیں" روایت والے اسے ان کی روایتی انکساری پر محمول کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ جو کچھ چاہتے تھے اسے کھل کر کہنے کی یہی ایک صورت تھی دوسرے یہ تو دستاویزی ثبوت ہے کہ انہوں نے جو کچھ بیرونِ در کہا اندرونِ خانہ بھی وہی کہا۔

گویا عسکری صاحب کی وفات کے بعد ان خطوط کی حیثیت ایک طرح سے ان کے ملفوظات کی سی ہوگئی ہے بہرحال ان خطوط کی اشاعت سے بہتوں کا بھلا ہوگا ہمارا اس طرح ہوا کہ دین و روایت اور تصوف و طریقت پر اعلیٰ ترین قدیم و جدید لٹریچر کی ایک مبسوط فہرست ایک ایسے شخص کے بھرپور محاکمے کے ساتھ ہاتھ آگئی ہے جس کے ایک خاص علمی و ادبی اور مذہبی مقام ہے اس کی ذات و خیالات کے مخالف بھی انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔

عسکری صاحب زندہ تھے تو لگتا تھا کوئی رَن پڑنے والا ہے، بہت بڑا جس میں کئی کھیت رہیں گے، نامی گرامی۔ بس نصیبوں والے ہی بچیں گے خال خال۔ لیکن کرنا خدا کا کیا ہوا جو ہونا تھا وہ نہ ہوا اور انہیں بلاوا آگیا۔

اِدھر انہوں نے آنکھیں موندیں اور اُدھر یار لوگوں نے طوفان اٹھا دیا وہ شور مچا کر شور مچائے ہی بنے۔ ان کا خیال تھا کہ انہیں چپ کرا سکنے والا تو جا چکا اب اس کی جگہ لینے کون آئے گا لیکن سیّدی محمد سہیل عمر الشاذلی اور ان کے عشرہ معاونین نے پاکستان کے دینی، علمی، تہذیبی اور ادبی افق پر فکر روایت کی تفہیم و تعلیم اور اس کے مفکرین کے تذکرہ و تعارف کی باقاعدہ مجاآتی ینو

رکھ کر ثابت کر دیا کہ جائے استاذ تو خالی ہے اور خالی ہی رہے گی لیکن شاگرد اپنے لیے جگہ غیروں سے خالی کرالیں گے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا انہوں نے بات سننے اور سمجھنے والوں پر بڑا کرم فرمایا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ "روایت" کے پہلے ہی شمارے میں تصور روایت کے مفکرین اور شارحین کے اس قدر ثقہ مضامین جمع ہو گئے ہیں کہ اس کے ناقدین اب کسی کو — BY THE WAY — گمراہ نہیں کر سکیں گے۔ روایت نے اپنے انداز میں ہر خاص و عام پر یہ حقیقت واشگاف کر دی ہے کہ جس حقیقت کو وہ پیش کر رہے ہیں اس کے راوی خود پیغمبر تھے، سارے کے سارے۔

وَقَالَ لَهُمْ خزنتها الم یأتکم رسل منکم یتلون علیکم آیات ربکم وینذرونکم لقاء یومکم ھذا قالوا بلیٰ ولٰکن حقت کلمۃ العذاب علی الکافرین۔ (سورۃ الزمر: ۷۱)

ترجمہ: اور اُس (دوزخ) کے داروغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول تمہارے رب کی آیتیں سنانے اور اس دن کی ملاقات سے ڈرانے نہیں آتے! وہ کہیں گے ہاں، آئے تو سہی، پر کافروں پر کلمہ عذاب پورا ہو کر رہا۔

اور رینے گینوں اور ان کے پیروؤں کے نزدیک لفظ روایت "الدین القیم" کے ترجمے کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں گویا وحی اور تہذیب کے درمیان رابطے کا نام روایت ہے۔ میں روایت پر تبصرے میں عسکری صاحب کے بار بار کے ذکر خیر پر اس لیے معذرت نہیں کروں گا کہ یہ وہ نام ہے جو مجلہ روایت میں بار بار آیا ہے اور اب پاکستان میں روایت